© rasailojaraid.com

تدوین حدیث

تدوین حدیث کا ماحول

(۵)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات
(جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اس کو بھی جانے دیجئے کہ پیغمبرؐ کی طرف کسی جھوٹ کو منسوب کرنا خود اپنے اندر کن ہولناک نتائج کو پوشیدہ کئے ہوئے ہے ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ پیغمبر کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا، درحقیقت یوں سمجھنا چاہئے کہ منسوب کرنے والا اس کا انتساب اس خدا کی طرف کر رہا ہے جس کی مرضی کی نمائندگی کرنے کے لئے پیغمبر اٹھایا اور بھیجا جاتا ہے پھر کیا جن بزرگوں کی راہ سے ہم تک حدیثیں پہنچی ہیں، ان کو ہم اتنا بڑا مجرم ٹھیرالیں جس سے بڑا مجرم قرآن کا فیصلہ ہے کہ کوئی دوسرا نہیں ہے، ایک سے زائد جگہوں پر فرمایا گیا ہے کہ اس سے بڑا ظالم اور کون ہے جو خدا پر افترا کرتا ہے اور خدا کی طرف جھوٹ بات منسوب کرتا ہے۔ ان جن کی زندگی از سرتاپا مجرمانہ ہے کیا خدا کی شان ہے وہی اللہ کے دوستوں، رسولؐ کے جانبازوں کو مجرمین کی اس جماعت میں شریک کرنے کی جسارت کر رہے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن سے بڑا مجرم قرآن کی رو سے کوئی نہیں ہے اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ ان بزرگوں کو مجرم ٹھیرانے کی اس مہم میں چاہتے ہیں کہ سارے مسلمانوں کو گھسیٹ لیں۔ بلا خوف تردید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ انکارِ حدیث کے فتنہ پردازیوں کا آخری انجام یہی ہے اور یہی ہو سکتا ہے۔

حدیث اور رواۃِ حدیث کے مقابلہ میں عصری ہنگامہ آرائیوں کا اگر یہ مطلب نہیں ہے، بلکہ کہنے والے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دین کے بیناتؒ کی حفاظت و اشاعت کی جو سرگرمیاں میسر آئی ہیں چونکہ صحاح کی عام حدیثوں (یعنی اصطلاحاً جنہیں خبر احاد کہتے ہیں) ان کے ساتھ شروع ہی سے یہ سلوک اختیار نہیں کیا گیا اس لئے ان حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج و احکام کو چاہا جاتا ہے کہ اعتماد و وثوق قطعیت

لہ بینات کی یہ اصطلاح قرآن سے ماخوذ ہے دین کے ان عناصر و اجزاء کی یہ تعبیر ہے جن کا تعلق دین سے آدمی کے عقلی احساسات کے آگے اتنا واضح دبین اور کھلا ہوا ہو کہ سوچنے والے دین کو ان کے بغیر اور ان کے بغیر دین کو سوچ نہیں سکتے توارث و تعامل کی نیشت بناہی میں نسلاً بعد نسل مسلمانوں میں جو چیزیں آغاز اسلام سے منتقل ہوتی ہوئی ان متواترات کی شکل اختیار کر چکی ہیں جن کے انکار کی گنجائش آدمی کی فطرت میں نہیں رکھی گئی ہے ان کے انکار کی جرأت اسی قسم کی جرأت ہے کہ کوئی یہ کہنے لگے کہ دنیا اسی وقت سے پائی جاتی ہے جب سے ہم اسے دیکھ رہے ہیں، باقی کہنے والے جو یہ کہتے ہیں اور خبر دیتے ہیں کہ اس سے پہلے بھی دنیا موجود تھی آفتاب ماہتاب پائے جاتے تھے یہ صرف خبر دینے والوں کی ایک تراشی ہوئی خبر ہے ظاہر ہے کہ ایسے آدمی کو یہی سمجھا جائے گا کہ انسانی فطرت اور اس کے قدرتی اقتضاؤں سے وہ محروم ہو چکا ہے، بالفاظ دیگر بالکل احمد دیوانہ ہے۔ بہرحال دین اسلامی کے بینات مثلاً قرآن ہی کو لیجئے۔ کیا قرآن کو الگ کر کے کوئی اسلام کو سوچ سکتا ہے اور یہی حال اسلام کی ان ساری چیزوں کا ہے جو اسی راہ سے منتقل ہوتی ہوئی اگلوں سے پچھلوں میں آرہی ہیں جس راہ سے قرآن منتقل ہوتا ہوا آرہا ہے۔ بینات اور غیر بینات کے مباحث کی تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب تدوین فقہ ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ویقین کا وہ مقام حاصل نہ ہو جو دین کے بینات اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج واحکام کی خصوصیت ہے، اگر واقعی کہنے والے یہی کہنا چاہتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا منکر کون تھا مجھ ہی سے آپ سن چکے کہ ماننے والوں نے آج ہی کیا ہمیشہ سے یہی مانا ہے اہمیت میں شرعی قوانین کے ان دونوں سرچشموں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اس کا قائل ہی کون تھا جس کی تردید کی خواہ مخواہ زحمت اٹھائی جا رہی ہے، مانی ہوئی بات کو منوانے کے لئے بھلا ان بے ہنگام شورشوں کی کیا ضرورت تھی، یہی نہیں بلکہ ان حدیثوں میں بھی کون قائل ہے کہ سب کا درجہ اعتماد میں برابر ہے جن حدیثوں کی سندمیں یعنی بیان کرنے والوں کے سلسلہ میں یا متن میں جہاں جہاں کوتاہیاں پائی گئی ہیں۔ ان کوتاہیوں سے کس زمانے میں چشم پوشی کی گئی ہے؟ بندگان خدا! آپ نے کیا نہیں سنا ہے کہ حدیثوں کے اسی ذخیرے میں صحیح حدیثوں کے ساتھ حسن اور ضعیف حدیثوں کی نشان دہی خود محدثین نے کی ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان بزرگوں کے علمی مجاہدات اور جان پر کھیل کر جو معلومات انھوں نے فراہم کئے ہیں ان ہی مجاہدات اور معلومات کی روشنی میں ہم نے ان روایتوں کو پہچانا ہے اور پہچان سکتے ہیں جن کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب درست نہیں ہے الغرض اس سلسلے میں کام کرنے کا کونسا کام تھا جو اٹھا رکھا گیا ہے آپ اگر ان سے ناواقف ہیں تو آئیے اور مجھ سے اس داستان کی تفصیل سنئیے میں خیال کرتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امتِ مرحومہ اور ملتِ منصورہ کی فکر میں گھلنے والوں پر اس کے بعد خود بخود واضح ہو جائے گا کہ ان خود ساختہ افکار اور خود آفریدہ اوہام وتشکوک میں ان کا گھلنا بھی بے معنی ہے اور دوسروں کو بھی گھلانے کی کوشش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ان کی طرف سے مسلسل جاری ہے لاحاصل کوشش ہے بلکہ اگر کہا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مجرمانہ کوشش ہے اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ۔

ان لوگوں کے لئے جو نہیں جانتے ہیں یا جانتے ہیں مگر سوچنے کا موقعہ ان کو نہیں ملا ہے، سب سے پہلی بات اس سلسلہ میں مستحقِ توجہ یہ ہے کہ دین کے لئے "بینات" کو نگرانی وحفاظت، تبلیغ واشاعت میں جو تاریخی سرگرمیاں میسر آئی ہیں ان سرگرمیوں سے حدیثوں کا وہ ذخیرہ کیوں مستفید نہ ہو سکا جن سے پیدا ہونے والے نتائج واحکام کو تعامل وتوارث کی قوت حاصل نہیں ہے یعنی وہی حدیثیں جنھیں خبر احاد کہتے ہیں ان کے ساتھ یہ صورتِ حال کیوں پیش آئی؟ آیا یہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے، یا قصداً وارادةً ان کو اس حال میں رکھا گیا ہے؟ اس حادثہ کو اتفاقی واقعہ قرار دینے میں علاوہ دوسرے اسباب ووجوہ کے جو ابھی بیان کئے جائیں گے اگر سوچا جائے تو یہ کیسی عجیب بات ہوگی آخر اتفاق کا کیا مطلب ہوگا؟ یہی تو کہ ان کی حفاظت ونگرانی کی ذمہ داری جن لوگوں پر عاید ہوتی تھی، ان لوگوں نے اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کیں اور بجائے اس کے بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لیا، ظاہر ہے کہ یہ کام تو ان ہی لوگوں کا تھا۔ جو دین اسلامی کے سب سے پہلے محافظ اور مبلغ ٹھیرائے گئے تھے۔ پھر کیا العیاذ باللہ صحابۂ کرام بلکہ فاکم بدہن خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان سرد مہریوں اور بے اعتنائیوں کو منسوب کر دیا جائے؟

ابتدائی تاسیس وآغاز کی تاریخ اسلام کی بھی اگر وہی ہوتی جو تاریخ دنیا کے ان اکثر مذاہب وادیان کی ہے جن سے ہم واقف ہیں، تو شاید اس کے تصور کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حد تک گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی، یعنی کہا جا سکتا تھا کہ یہ مجبوری کا نتیجہ تھا لیکن کون نہیں جانتا کہ ظہور کے ساتھ ہی ایک عظیم الشان سیاسی طاقت اسلام کی پشت پناہی کے لئے اس کی تاسیس و آغاز کی ابتدائی دنوں ہی میں مہیا ہو گئی اور کیسی سیاسی طاقت؟ کل دس پندرہ سے بیس سال کے اندر بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرۂ زمین کی سب سے بڑی قاہرہ حکومت وسلطنت اسلام کی حفاظت و بقاء تبلیغ واشاعت کو اپنا واحد نصب العین قرار دیتے ہوئے قایم ہو چکی تھی، آخر اسی دین اسلام کے بینات کے متعلق بقول ابن حزم دنیا کی یہی سب سے بڑی طاقتور حکومت جب اس تماشے کو پیش کر چکی تھی کہ

ولی عمرؓ ففتحت بلاد الفرس
طولاً وعرضاً وفتحت الشام کلها
والجزیرة ومصر ولم یبق بلد
الا وبنیت فیه المساجد ونسخت
فیها المصاحف وقرء ائمة القرآن
وعلم الصبیان فی المکاتب شرقاً
وغرباً وبقی کذلک عشرة اعوام
واشهراً ص ۹۶ ج ۲

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد خلافت کی باگ ہوئی، ان کے زمانہ میں ایران کا سارا علاقہ فتح ہوا، اسی طرح شام والجزیرہ دجلہ فرات کا درمیانی علاقہ، مصر یہ سارے علاقے فتح ہوئے۔ اور ان تمام ممالک میں کوئی ایسا ملک باقی نہ رہا جس میں مسجد نہ تعمیر ہوئی ہو ہر ملک میں قرآن کے نسخے لکھے گئے۔ قرآن کے پڑھنے والوں نے انہیں پڑھا اور مکتب خانوں کے بچوں کو پڑھایا گیا، مشرق و مغرب ہر جگہ یہی کیا گیا، حضرت عمرؓ دس سال اور کچھ مہینے زندہ رہے، اور اسی زمانہ میں یہی حال ان سارے مفتوحہ علاقوں کا تھا

لہ لوٹ کے تو ڑنے کے اسی سے اندازہ کیجئے کہ خراسان جیسے دور دراز مقام میں لکھا ہے کہ ابن عباس کے شاگرد
بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی دس سال کچھ مہینے کے اندر یہ ہوگیا جیسا کہ ابن حزم ہی نے لکھا ہے کہ

وان لم یکن عند المسلمین اذ مات	جس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
عمر مائۃ الف مصحف من مصر	وفات ہوئی، تو مصر سے لے کر عراق تک اور
الی العراق الی الشام الی	عراق سے شام تک شام سے یمن تک قرآن
الیمن فما بین ذلک فلم یکن	کے نسخے جو پھیلے ہوئے تھے ان کی تعداد اگر
اقل ۔۔۔	ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھی تو کم بھی نہ تھی۔

سوال یہی ہے کہ جس حکومت کی طاقت سے یہ کام قرآنی نسخوں کے پھیلانے میں لیا گیا تھا وہی حکومت اگر چاہتی تو پچیس تیس ہزار حدیثوں کے اس مجموعہ کی حفاظت واشاعت کا انتظام اسی پیمانے پر کیا وہ نہیں کر سکتی تھی، جس پیمانے پر قرآن کی حفاظت واشاعت کا فرض انجام دیا گیا جس کے قلمرو کے ایک ایک قطعہ اور خطہ کی آمدنی سے لوگ فرعون اور نمرود کی شان وشوکت کو مہیا کر سکتے تھے، خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس حکومت کے قبضے میں یہ سارے علاقے ہوں وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی میں یہ مبالغہ نہیں کرونگا اگر کہوں جس قاہرہ حکومت کی نصرت وتائید اسلامی دین کو اپنی تاریخ کے ابتدائی دنوں میں میسر آگئی تھی سونے کے پتروں پر جواہرات کے حروف میں بھی ان حدیثوں کو وہی حکومت اگر لکھوانا چاہتی تو یقیناً وہ لکھوا سکتی تھی، یہی الجزیرہ (عراق وعرب) کے حکمرانوں نے فرات ودجلہ کے کنارے سونے کی کتنی گانٹھیں ڈھلوا ڈھلوا کر گڑوا دیے تھے یا مصر کے بادشاہوں نے جو کچھ کیا یا جو کچھ وہ کر سکتے تھے اس کا اندازہ ان کی قبروں سے برآمد ہونے والی چیزوں سے ہو سکتا ہے آخر مصر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ضحاک بن مزاحم کے مکتب خانوں میں ہزارہا لڑکوں کے ساتھ ساتھ سو لڑکیاں بھی پڑھتی تھیں صلنا۔ مفتاح السعادہ ج ۱ اندیہ حال اسلام کے ابتدائی عہد کا ہے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی کی تو آمدنی تھی، جس سے سکندریہ میں جیسا کہ کہا جاتا ہے چھ لاکھ کتابوں کا کتب خانہ قایم کیا گیا تھا پھر اس کے کوئی معنی ہو سکتے ہیں کہ اسی آمدنی کی وارث حکومت کو پچیس تیس ہزار حدیثوں کے مجموعہ کے لکھوانے سے بھی معذور و مجبور قرار دیا جائے، اور یہ حال تو خیر عہد صحابہؓ کا ہے خود نبوت کا جو دور تھا مانا کہ اس وقت کی حکومت کے طول وعرض میں اتنا اضافہ نہ ہوا تھا۔ لیکن جو حکومت اس وقت بھی قایم ہو چکی تھی جیسا ابن حزم ہی کے الفاظ میں اس نے یہ کر کے دکھایا تھا

الاسلام قد انتشر وظهر فی	اسلام (نبوت کے آخری زمانہ میں) پھیل گیا
جمیع جزیرۃ العرب من منقطع	اور سارا جزیرۂ عرب یعنی بحر قلزم سے جو خط
البحر المعروف ببحر القلزم مارا	یمن کے ساحل سے گذر کر خلیج فارس کے
الی سواحل الیمن کلها الی بحر	آخری حدود تک پہنچتا ہے اور وہاں سے
فارس الی منقطعه مارا الی	دریائے فرات پر آکر ختم ہوتا ہے پھر فرات
الفرات ثم علی ضفۃ الفرات	سے گذرتے ہوئے شام کے آخری حدود
الی منقطع الشام الی بحر القلزم	پر پہنچ کر بحر قلزم سے خط جو مل جاتا ہے
وفی هذه الجزیرۃ من المدن	اس سارے علاقے میں اسلام غالب
والقری مالا یعرف عدده الا	آگیا ظاہر ہے کہ عرب کے اس جزیرے میں
اللہ عز وجل کالیمن والبحرین،	شہر بھی تھے اور دوسری آبادیاں بھی تھیں
وعمان ونجد، وجبل طی، بلاد	ایسی آبادیاں جن کی صحیح تعداد اللہ عز وجل
مضر وربیعۃ وقضاعۃ والطائف	کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مثلاً یمن۔ بحرین
ومکۃ کلهم قد اسلم وبنوا المساجد	عمان۔ نجد۔ جبل طی، مضر و ربیعہ و قضاعہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیس منھا مدینۃ ولا قریۃ ولا حلۃ لاعراب الا وقد قری فیھا القرآن فی الصلوات وعلم الصبیان والرجال والنساء ص ۶۹ ج ۲

کے علاقے تھا اسی طرف طائف کا شہر مکہ کا شہر (عہد نبوت کے آخری عہد میں) ان علاقوں کے باشندے اسلام قبول کر چکے تھے اور مسجدیں تعمیر کرلی تھیں، پھر ان میں کوئی شہر کوئی آبادی یا بدویوں کی فرودگاہ ایسی نہ رہی تھی جن میں نمازوں کے اندر قرآن نہ پڑھا جاتا تھا، اور مکتب خانوں میں بچوں کو اسی طرح مردوں اور عورتوں کو قرآن نہ پڑھایا گیا تھا۔

کیا عہد نبوت کی اسی حکومت کے لئے یہ کوئی بڑا مسئلہ ہو سکتا تھا کہ قرآن اور قرآن کے ساتھ دین اسلام کے دوسرے یقیناتی عناصر کی اشاعت عام میں اپنی جس طاقت کا مظاہرہ اس شکل میں جیسے اس نے کیا تھا کہ بقول ابن حزم۔

"پانچ وقتوں کی نمازوں میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی کہ مومن ہو یا کافر کسی کے لیئے اس شبہ کی گنجائش" ان میں نہ چھوڑی گئی، ان میں ہر ایک جانتا ہے کہ ان نمازوں کو مقررہ اوقات پر پیغمبر اپنے صحابیوں کے ساتھ پڑھتے رہے اور جو بھی جہاں کہیں آپ کے دین میں داخل ہوئے وہ بھی ان نمازوں کو پڑھتے رہے اور آج تک پڑھ رہے ہیں بغیر کسی شک و شبہ کے اس یقین کو ہر ایک اپنے دل میں پاتا ہے کہ سندھ والے بھی ان نمازوں کو اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اندلس والے ان کو ادا کرتے ہیں آرمینیہ کے باشندے ان ہی نمازوں کو پڑھتے ہیں جو یمن والے پڑھتے ہیں یہی حال رمضان کے روزوں کا ہے کہ نہ کسی مومن کے لئے شک کی گنجائش باقی رہی اور نہ کافر کے لئے کہ رمضان میں آنحضرت صلعم نے روزے رکھے اور جہاں کہیں جو لوگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی آپ کے دین میں داخل ہوئے وہ بھی ہر سال ان روزوں کو رکھتے ہیں، اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ رمضان کے روزوں کا یہ سلسلہ مسلمانوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے یہی حال حج کا ہے کہ مومن ہو یا کافر سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی حج کیا اور اس کے مناسک کو ادا فرمایا، اور ہر علاقہ کے مسلمان ہر سال ایک ہی مہینہ میں اس کو ادا کرتے ہیں، الغرض یا اور اسی قسم کی وہ ساری چیزیں جن کا قرآن میں مطالبہ کیا گیا ہے ان سب کا یہی حال ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی فرضیت، مردار اور سود وغیرہ کی حرمت وغیرہ ملل والنحل ابن حزم صفحہ ۶۸ ج ۲

جس طاقت سے کام لے کر ان دینی عناصر کو قطعیت کا یہ رنگ بخشا گیا تھا کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ قطعیت کے اسی رنگ کو، اسی طاقت اور قوت کو اگر خبر احاد والے احکام و مسائل میں بھی بھرنے کا ارادہ کیا جاتا تھا تو اس مقصد کی تکمیل سے اسی حکومت کو کون روک سکتا تھا، حکومت تو بہرحال حکومت ہی ہوتی ہے ان ہی حدیثوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی انفرادی شخصیتوں نے پچھلے زمانے میں جب چاہا تو واقعۃً ان کو آب زر اور سونے کے پانی سے لکھوایا۔ مفتاح السعادہ میں ابو محمد مزنی ایک عالم کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

امر بکتاب اللہ عز وجل وبصحیح البخاری فکتبوا له بماء الذھب من الاول الی آخرہ ج ۲ ص	کتاب اللہ یعنی قرآن مجید، اور صحیح بخاری کے متعلق انھوں نے حکم دیا تو لوگوں نے آب زر سے دونوں کتابوں کو اول سے آخر تک لکھا

اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اتفاقاً کتابوں میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر آگیا ورنہ مسلمانوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہوگا، اس کا اندازہ اسی سے ہوتا ہے کہ طلائی حروف کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کے نسخے آج بھی جس کا جی چاہے اوسط درجے کے جس اسلامی کتب خانہ میں چاہے دیکھ سکتا ہے۔[1] قرآن کے لکھوانے میں جو جذبہ کارفرما رہا ہے حدیثوں کے متعلق کیوں سمجھا جائے کہ وہی جذبہ اثر انداز نہ ہوا ہوگا خیال تو کیجئے تیسری صدی ہجری کا زمانہ ہے، ابو عبید نے اپنی مشہور کتاب کتاب الاموال لکھی تھی، جس میں "مالیات" کے متعلق عہد نبوت و عہد صحابہ کے آثار جمع کئے گئے ہیں گویا براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل مسند حدیثوں ہی پر یہ کتاب مشتمل نہیں ہے بلکہ حدیثوں کے ساتھ ساتھ صحابہ تابعین کے آثار اور فتوے سب ہی طرح کی چیزیں اس میں پائی جاتی ہیں لیکن بایں ہمہ اندازہ کیجئے مسلمانوں کے جذبات کا، ابن عساکر کا بیان ہے کہ احمد بن مہدی بن رستم اصفہانی محدث المتوفی ۲۷۲ھ خود کہتے تھے کہ میں نے ابو عبید سے عرض کیا۔

يا ابا عبيد رحمك الله اسمع لنا ان	ابو عبید اللہ اپنی رحمت آپ پر نازل کرے
اكتب كتاب الاموال بماء الذهب	(کہ ایسی کتاب آپ نے لکھی) میں چاہتا ہوں
ص ۲۰۱، ج ۲	کہ آپ کی کتاب الاموال کو آب زر سے لکھواؤں

لیکن خود ابو عبید نے ابن رستم کو اس سے منع کیا اور کہا کہ حبر (مائل بسرخی سیاہی) سے لکھوانا بہتر ہوگا، کیونکہ دیر تک اس کا اثر باقی رہتا ہے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ ابن رستم

---

[1] صوبہ بہار کے ایک دور افتادہ گاؤں خضر چک میں مولویوں کے گھرانے میں ایک کتب خانہ کے دیکھنے کا موقع مجھے ملا تھا، منجملہ دوسرے نوادر کے میں نے حدیث کی دعاؤں کی کتاب "حصن حصین" کا ایک نسخہ وہاں دیکھا تھا جس کی زمین نیلم کے پانی سے اودے رنگ سے تیار کی گئی تھی، اور حرف اول سے آخر تک طلائی تھے عنوانات اور فصول حل کردہ موتی کے پانی سے لکھے گئے تھے غالباً ابھی وہ نسخہ خضر چک میں موجود ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے صرف ارادہ ہی کیا تھا، میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر ابو عبید نہ روک دیتے تو منزدا پنے ارادے کو وہ پورا کر کے رہتے، آخر جس شخص کے متعلق ابن عساکر ہی نے یہ لکھتے ہوئے کہ ان کے پاس حدیث کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا آخر میں بیان کیا ہے کہ

أَنْفَقَ عَلَيْهَا نحواً من ثلثمائة الف دراهم — جس پر تقریباً تین لاکھ درم انھوں نے صرف کئے گئے۔

تین لاکھ درم جس نے حدیثوں کی کتابت پر خرچ کر دیا ہو، کیوں تعجب کیجئے اگر ابو عبید کی کتاب الاموال کو وہی آبِ زر سے، جیسا کہ ارادہ کیا تھا لکھوا دیتے سلطانوں کے مذاق کا اس باب میں کون اندازہ کر سکتا ہے حکومتیں اور سلطنتیں جو کچھ کر سکتی ہیں ان کو تو جانے دیجئے، تیسری صدی کے محدث حافظ یعقوب بن شیبہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں اپنی مسندوہ تیار کر رہے تھے۔

كان عند منزل يعقوب اربعون لحافا اعدها لمن يبيت عنده من الوراقين الذين يبيضون المسند ص۱۷۱ تذکرة الحفاظ ج ۲ — یعقوب کے گھر میں چالیس لحاف رکھے رہتے تھے تاکہ حدیثوں کے نقل کرنے کے لیے ان کے ہاں رات کو کاتبوں کی جو جماعت سوتی تھی اس کے اوڑھنے میں کام آئیں۔

میں تو حیران ہوں کہ پڑھنے والے عام متداول کتابوں میں اس قسم کے واقعات بھی پڑھتے ہیں، مثلاً قرأت اور عربیت کے امام ابو عمرو بن العلاء جن کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچاس اور پچپن سال یا چند سال اسی کے آگے پیچھے مکہ میں پیدا ہوئے، آخر میں بصرے کو اپنا وطن بنا لیا تھا، بعض صحابہ مثلاً حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی استفادہ کا موقعہ ان کو ملا تھا بہرحال کہنا یہ

© rasailojaraid.com

ہے کہ ان ہی کے حالات میں ابن خلکان الیافعی وغیرہ سبھوں نے لکھا ہے کہ

کانت کتبه التی کتب عن العرب	ابو عمرو بن العلاء نے فصحاء عرب کی جن چیزوں
الفصحاء قد ملأت بیتا له الی	کو لکھ کر جمع کیا تھا، ان کی کتابوں سے چھت
السقف ص ۳۲۵ ج ۱ الیافعی	تک کمرہ بھرا ہوا تھا۔

سوچنے کی بات ہے کہ ابو عمرو مانا کہ کوئی بڑے رئیس آدمی نہ تھے تاہم بعض علوم خصوصاً قرآن کے پڑھانے میں اور ادب عرب کے امام مانے جاتے تھے۔ عربی ادب میں ان کی واقفیت کا کیا حال تھا، اسی سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو اصمعی ان کے شاگرد رشید کی اس ذاتی شہادت سے ثابت ہے، یعنی اصمعی کا بیان ہے کہ

"میں دس سال تک ابو عمرو بن العلاء کے حلقہ میں بیٹھا ہوں، لیکن کسی لغوی مسئلہ میں شعر کے پیش کرنے کی جب ضرورت ہوئی تو اس شخص نے کبھی اسلامی شاعر (یعنی عہد اسلام) کے کلام کو پیش نہیں کیا۔"

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قبل اسلام کے جاہلی شعراء کا کلام ہی ابو عمرو کو اتنا محفوظ تھا کہ اسلامی شعراء کے کلام میں اس مسئلہ کے متعلق شہادت ڈھونڈنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ کچھ بھی ہو یہ ماننا پڑے گا کہ ابو عمرو کا مکان کوئی معمولی غریبوں کا جھونپڑا نہ ہوگا، بصرہ اور کوفہ میں مسلمانوں کی تعمیری ترقیوں کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ جس حیثیت کے آدمی ابو عمرو[1] تھے ان کے کتب خانہ کا یہ کمرہ کافی طول و عرض

---

[1] ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ابو عمرو کو پھولوں کا خاص شوق تھا، روزانہ گجرا خریدا جاتا تھا، وہ باسی پھول کو خشک کر کے منہ دھونے کی چیزوں میں کوٹ کر ملا دیا جاتا تھا گویا خوشبودار صابن بنا لیا جاتا تھا۔۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی رکھتا ہوگا، اور بلندی بھی اس کی اسی نسبت سے ہوگی یہ کمرہ نیچے سے اور چھت تک کتابوں سے پٹا ہوا تھا، خیال کرنا چاہئے کہ ان کتابوں کی اور جتنے اوراق پر وہ مشتمل ہوں گی ان کی تعداد کیا ہوگی اندازہ میں انتہائی سماحت سے کیوں کام نہ لیا جائے، پھر بھی وہ دس بیس کتابیں اور سو دو سو ورق تو کبھی نہیں ہو سکتے، بہرحال اتنا تو یقینی ہے کہ جتنے صفحات میں پچیس تیس ہزار حدیثوں کے متون سند کے ایک دو راوی کے ناموں کے ساتھ لکھے جا سکتے ہیں، ان سے تو ان کی مقدار یقیناً زیادہ ہی ہوگی۔

میں پوچھتا ہوں کہ پہلی صدی ہجری میں بصرے کا ایک خوش باش شہری تو مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ مہیا کر سکتا ہو، لیکن جس حکومت کا وہ ادنیٰ رعیت ہو، اس کو اتنا مجبور ومعذور، بے دست وپا فرض کر لینا کس حد تک درست ہو سکتا ہے کہ جاہلی شعرا کے اشعار نہیں بلکہ جس پیغمبرؐ کے صدقہ میں یہ حکومت قائم ہوئی تھی، اس کے ملفوظات گفتار ورفتار سیرت وکردار کے متعلقہ معلومات کے قلمبند کرنے کا سامان نہیں کر سکتی تھی،

اب میں کیا عرض کروں ابو عمرو بن العلاء کی چھت سے لگی ہوئی ان کتابوں کی صحیح مقدار پر کمرے کی صحیح مقدار کے نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کہنے والے جو کچھ کہہ بھی سکتے ہیں، لیکن اسلام کی ان ہی ابتدائی صدیوں میں اسی حکومت کے ایک عام باشندے ابن عقدہ کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ

تحول مرة فكانت كتبه ست مائة حمل الباني ص۳۴ ج ۲

جہاں پہلے رہتے تھے وہاں سے جب ایک دفعہ منتقل ہوئے تو چھ سو اونٹوں پر ان کی کتابیں لدی ہوئی تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیسری صدی کے ایک محدث ابن عقدہ جن کی وفات چوتھی صدی میں ہوئی
یہاں ان کے کتابی سرمایہ کا حال بیان کیا گیا ہے کہتے ہیں کہ ہر اونٹ نو من بوجھ لادلیا
حساب کر لیجئے کہ ابن عقدہ کی ان کتابوں کا مجموعی وزن کتنا ہوا، گو مورخین نے تص
تو نہیں کی ہے لیکن غالب قرینہ یہ ہے کہ اس کتابی سرمایہ میں زیادہ تر وہی چیز
تھیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خاندان، آپ کے اصح
سے تعلق تھا کیوں کہ ابن عقدہ ان ہی چیزوں کے اپنے وقت میں بے نظیر عالم ا
حافظ سمجھے جاتے تھے اور اس کو بھی جانے دیجئے زمانہ چونکہ آگے بڑھ گیا ہے ا
لئے گفتگو کی گنجائش پیدا ہو سکتی ہے، لیکن ابو قلابہ کا نام حدیثوں کی سند میں آپ
نظر سے گذرا ہوگا ان کی وفات ہی ہوئی ہے ۱۰۴ھ میں جس کا مطلب یہی ہوا کہ پہ
صدی ہجری کے علماء میں ہیں، سنئے ان کی کتابوں کی مقدار ہیں الذہبی نے نقل ک

مات ابو قلابة بالشام فاوصى
بكتبه لايوب السختياني فجئ
فی عدل راحلة (تذکرہ ج ۱)

ابو قلابہ کا جب انتقال ہوا تو وفات سے
پہلے اپنی کتابوں کے متعلق انھوں نے وصیت
کی تھی کہ ایوب سختیانی (ان کے شاگرد تھے)
ان ہی کے سپرد کر دی جائے کتابیں جب
ایوب کے پاس آئیں تو ایک اونٹ کا نصف
بار تھیں۔

ساڑھے چار من تو ان کتابوں کا وزن ہونا چاہئے آئندہ بھی کسی موقعہ پ
کی کتابوں کا ذکر آئے گا، جہاں بتایا جائے گا کہ زیادہ تر ان کی یہ کتابیں رسول اللہ ص
اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں ہی پر مشتمل تھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور قصہ کچھ اسی پر کیا ختم ہو جاتا ہے؟ ابو قلابہ تو بہر حال تابعی ہیں، لیکن ابن عباس تو تابعی نہیں ہیں ان کے مشہور مولی (آزاد کردہ غلام) کریب بن ابی مسلم کا یہ بیان طبقات ابن سعد میں پڑھیے، موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں۔

وضع عندنا کریب بن ابی مسلم	ہمارے پاس عبداللہ بن عباس کے مولی
مولی عبداللہ بن عباس حمل	کریب نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں
بعیر من کتب ابن عباس	جو ایک بار شتر تھیں۔

ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶

ابن عباس کی ان کتابوں کا انشاء اللہ آگے بھی ذکر آئے گا، اس وقت تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس حکومت کی رعایا کے افراد ایک ایک بار شتر کتابیں لکھوا سکتے تھے خود اس حکومت کے امکانات کا اس باب میں لوگوں کو اندازہ کرنا چاہیے عہد نبوت اور عہد صحابہؓ کے متعلق جو یہ سمجھا جاتا ہے کہ عہد جاہلیت سے چونکہ یہ زمانہ بہت قریب تھا اس لئے نوشت و خواند کے ساز و سامان کا اس وقت بسہولت میسر آنا آسان نہ تھا ہم اس کے متعلق پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ جاہلیت کے لفظ کا عوام جو یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ نوشت و خواند سے عرب کے باشندے اسلام سے پہلے قطعاً ناآشنا تھے یہ صحیح نہیں ہے جاہلیت قرآن کی ایک اصطلاح ہے، ایک سے زائد مقامات پر قرآن نے اپنی اس اصطلاح خاص کا تذکرہ کیا ہے قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص قسم کے خیالات و عقائد، عادات و اطوار کی تعبیر جاہلیت کے لفظ سے کی گئی ہے ورنہ جہاں تک عرب جاہلیت کے حالات سے پتہ چلتا ہے نوشت و خواند میں اس ملک کے باشندوں کی اسلام سے پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر بالکلیہ نہیں تو قریب قریب وہی حالت معلوم ہوتی ہے جو اس زمانہ کے عام متمدن ممالک (ایران روم مصر وغیرہ) کی تھی[1] بعضوں میں یا غلط فہمیاں تدوین قرآن کی ان روایتوں

---

[1] یعنی لازمی تعلیم اس زمانہ میں جہاں تک تاریخی روایات کا اقتضاء ہے کہیں نہیں تھی البتہ چین شاید اس حکم سے مستثنیٰ ہو، دوسری تیسری صدی ہجری کے ان سیاحوں نے جو چین پہنچے ہیں ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کی طرف سے لازمی تعلیم کا انتظام اس ملک میں اس وقت جاری تھا بہر حال چین کے سوا ہر ملک میں لکھنے پڑھنے والوں کا ایک خاص طبقہ پایا جاتا تھا اکثریت اس ہنر سے بیگانہ تھی۔ اور یہی حال عرب کا بھی تھا کہ اکثریت یقیناً نوشت وخواند سے ناواقف تھی لیکن ہر شہر میں کچھ لوگ پائے جاتے تھے جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے تھے صرف قرآنی وحی کی کتابت کے لیے صحابیوں میں (۴۲) بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے ان کے سوا تلاش اور تتبع سے اس وقت بھی سیکڑوں آدمی کا نام بتایا جا سکتا ہے، ان امور کی تفصیل آپ کو میری کتاب "تدوین قرآن" میں ملے گی جس میں دکھایا گیا ہے کہ عرب عام جاہلیت میں کتابوں سے بالکلیہ مفلس نہ تھا، یمن وغیرہ میں مختلف خاندانوں میں کتابوں سے بھرے ہوئے صندوق پائے جاتے تھے عیسائیوں کے گرجے عرب میں جہاں کہیں تھے ان میں پتہ چلتا ہے کہ (۲) کتابیں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں، یہی حال عرب کے یہودیوں کا بھی تھا مدینہ منورہ، خیبر وغیرہ جہاں کہیں رہتے تھے یہودی مذہب کی کتابوں کا ذخیرہ بھی وہاں پایا جاتا تھا جن کا ذکر بہ کثرت کتابوں میں کیا گیا ہے۔ عرب کے یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا عام جاہلی خاندانوں میں "مجلہ" لقمان نامی کتاب کا پتہ چلتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کتاب پیش بھی ہوئی تھی، ایرانیوں کے شاہ نامہ کا عربی ترجمہ کہتے ہیں مکہ لایا گیا تھا بلکہ نضر بن الحارث جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایرانی شاہنامہ کو لکھ کر حیرہ سے لایا تھا اسی کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام سے بھی اسی قسم کا تاریخی لٹریچر وہ مکہ لایا کرتا تھا، ممکن ہے کہ رومیوں کی تاریخ کا کچھ حصہ ہو، ان روایات پر اگر بھروسہ کیا جاتے جو درمنثور وغیرہ میں سیوطی نے نقل کی ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ عرب کے بازاروں میں یہودی کتابوں کی تجارت بھی کرتے تھے قرآن میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، ان ہی یہودیوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کا عربی میں ترجمہ کر کر کے عربوں میں اس کی اشاعت کرتے تھے اور یہ تو بخاری میں بھی ہے کہ ورقہ بن نوفل مکہ میں توراۃ وانجیل کا ترجمہ عربی میں کرتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ جاہلیت کا جو ماحول جاہلیت کے لفظ سے سمجھ لیا جاتا ہے یہ درست نہیں ہے بلکہ کسی نہ کسی قسم کا ماحولِ علمی عرب بھی رکھتا تھا، ابن ابی اصیبعہ کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حارث بن کلدہ ثقفی طائف نے ایران کی مشہور طبی درسگاہ جندیسابور میں طب کی تعلیم حاصل کی تھی اور عربی میں ایک طبی کتاب بھی اس نے لکھی تھی جو زمانوں کے تعامل بھی مکتوبہ شکل میں پائے جاتے تھے ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پیدا ہوئیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ شروع میں قرآن اونٹ کی ہڈیوں یا کھجور کے عسیب یا لخاف (پتھر) یا ادم (چمڑے) وغیرہ پر لکھا جاتا تھا، سمجھ لیا گیا کہ نوشت و خواند کے ساز و سامان کی کمی کا یہ نتیجہ تھا، حالانکہ پہلے ان الفاظ ہی کے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی کہ ان سے واقعی مقصد کیا تھا؟ لوگوں نے دماغ پر اتنا زور دینا بھی گوارا نہ کیا کہ بن گھڑے پتھر یا گری پڑی ہڈیوں پر لکھنے کی شکل ہی کیا ہو سکتی ہے، یا کھجور کی شاخ اور اس درخت کے پتوں میں اتنی وسعت کب ہوتی ہے کہ اس پر کچھ لکھا جا سکے، بس کہہ دیا گیا، اور لوگوں نے مان لیا، آگے بڑھ گئے، حالاں کہ لغت کی کتابوں کا مطالعہ ذرا توجہ سے اگر کیا جاتا تو معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ سارے الفاظ اصطلاحی ہیں ان چیزوں کی تعبیر ان الفاظ سے کی گئی ہے جو خاص کر کے لکھنے ہی کے لئے مصنوعی تدبیروں سے اس زمانہ میں بنائی جاتی تھیں، آپ ہی سے میں پوچھتا ہوں کہ اسکولوں میں لوگ پتھر پر لکھتے ہیں، اس بیان میں اور اس میں کہ سلیٹ پر لکھتے ہیں کیا کوئی معمولی فرق ہے، لکڑی پر لکھنا اور تختی پر لکھنا، کیا دونوں ایک ہی بات ہے، درحقیقت ہڈیاں ہوں یا لخاف (پتھر)، یا کھجور کی شاخ عسیب، عربی زبان کے جو الفاظ اس موقعہ پر استعمال کئے گئے ہیں، ان سے یہ قطعاً عام چیزیں مقصود نہیں ہیں، بلکہ سلیٹ کے لفظ سے جیسے لکھنے کی چیز سمجھی جاتی ہے اگرچہ وہ پتھر ہی سے تیار ہوتی ہے، اسی طرح ان الفاظ سے خاص چیزیں مقصود تھیں سنبر دو دو تین تین آیتیں جو نازل ہوتی رہتی تھیں جن کا تعلق مختلف سورتوں سے ہوتا تھا ان آیتوں کو ابتدائی یادداشت کے طور ایسی چیزوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوایا کرتے تھے جو نسبتاً کتابت کی دوسری چیزوں کے لحاظ سے زیادہ پائدار تھیں، خلاصہ یہ ہے کہ سامان کتابت کی کمی اور قلت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اور مجھے اپنے اس خیال پر اصرار ہے کہ ان چیزوں کا انتخاب قرآن کی نجماً نجماً نازل ہونے والی آیتوں کو قلم بند کر لینے کے لئے اختیار نہیں کیا گیا تھا بلکہ واقعہ کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے گویا یہ خیال کرنا چاہئے کہ شعراء کا جیسے یہ عام قاعدہ ہے کہ مصرعے اور اشعار جیسے جیسے تیار ہوتے جاتے ہیں انکو چھوٹے چھوٹے پرزوں پر پہلے لکھ لیتے ہیں اور بعد کو پوری غزل کے تیار ہو جانے کے بعد کسی بڑے کاغذ پر سب کو ایک جگہ جمع کر کے نقل کرتے ہیں، کچھ یہی صورت ان قرآنی آیتوں کی کتابت کی تھی جو تھوڑی تھوڑی مقدار میں نازل ہوتی رہتی تھیں، فرق صرف یہ تھا کہ شاعر اپنی ابتدائی یادداشت کے لئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاغذ ہی کے استعمال کرتا ہے اور قرآنی آیات کی اہمیت کی وجہ سے بجائے کمزور چیزوں کے پرزوں کے ایسی چیزوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے استعمال کئے گئے تھے جو نسبتاً زیادہ مستحکم اور زیادہ پائدار تھیں، مثلاً پتھر، ہڈی، کھجور کی شاخ سے لکھنے ہی کے لئے یہ ٹکڑے یا رقعے بنائے جاتے تھے، اسی لئے جو بیس پچیس سال بعد عہد صدیقی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لکھوائی ہوئی ساری ابتدائی یادداشتیں محفوظ حالت میں مل گئیں صرف سورۂ برأت یا سورۂ احزاب کی چند آیتوں والا رقعہ نہ مل سکا[1] تقریباً ربع صدی تک ان تمام یادداشتوں کا محفوظ رہ جانا حیرت انگیز بات ہے، ان امور کی پوری تفصیل آپ کو میری کتاب تدوین قرآن میں ملے گی اس وقت تو یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن کی کتابت کی متعلقہ روائتوں کا اثر چونکہ حدیث کی کتابت پر بھی پڑا ہے، سمجھنے والوں نے سمجھ لیا

---

[1] یعنی راوی کو یہ یاد نہیں رہا کہ ایک ٹکڑا ابتدائی یادداشت کے اس مجموعہ میں جو نہ ملا تھا اس میں براۃ کی آخر کی دو تین آیتیں تھیں یا سورۂ احزاب کی ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور دوسروں کو بھی وہ یہی سمجھاتے ہیں کہ ابتدا میں حدیثوں کے مکتوب نہ ہونے کی وجہ سامانِ کتابت کی کمی تھی حالانکہ یہ قطعاً غلط خیال ہے، مان لیا جاتے کہ عرب میں مصر کا کاغذ یا چین کا کاغذ نہ بھی میسر آتا ہو، پھر بھی اس زمانے میں لکھنے کی جو عام چیز تھی، یعنی رق (یا پارچمینٹ) جو جانوروں کے معدے کے پاس کی باریک جھلیوں سے بنایا جاتا تھا اس کے قحط کی عرب میں کیا وجہ ہو سکتی تھی عرب کی عام خوراک گوشت تھی، گوشت کھانے والے ملک میں جتنی آسانی کے ساتھ یہ جھلیاں فراہم ہو سکتی ہیں کیا اس پر تقریر کرنے کی ضرورت ہے یا رق شتر مرغ، یا خرگوش وغیرہ کی باریک کھالوں سے تیار کرتے تھے سو ظاہر ہے کہ عرب میں ان چیزوں کی قلت کے بھی کوئی معنی نہیں ہو سکتے اور میں تو جو کچھ کہہ رہا ہوں اس حکومت کے امکانات کے متعلق کہہ رہا ہوں، جو دینِ اسلامی کی پشت پناہی کے لئے ٹھیک اس دین کی ابتدا ظہور ہی کے دنوں میں قائم ہو چکی تھی کیا ایسی حکومت جس کا اقتدار سارے عرب پر قائم تھا، اگر چاہتی تو تیس چالیس ہزار حدیثوں کے مجموعے کے لکھوانے کا بھی بندوبست نہیں کر سکتی تھی، اس حکومت کے زیر اقتدار سارا عرب عہد نبوت ہی میں آگیا تھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے حقیقت تو یہ ہے کہ جانبازوں کا جو گروہ صحابہ کرام کی شکل میں آپ کے اردگرد جمع ہو گیا تھا، جان مال اور ہر وہ چیز جو ان کے امکان میں تھی سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں پر جب وہ نثار کر رہا تھا تو سوچنا چاہتے کہ ان سرفروشوں کے لئے بھلا یہ بھی کوئی بڑی بات تھی؟ منشاء مبارک کا ہلکا سا احساس بھی یقین مانتے کہ ایک مجموعہ کیا ایسے سینکڑوں مجموعے کے لکھوانے کے لئے کافی ہو سکتا تھا، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھ دس سال کے بعد ہی کیا مصر اسلامی محروسہ میں شریک نہیں ہو چکا تھا، مصر اور مصر کے مشہور کاغذ بردی یا پیپرس

© rasailojaraid.com

کے تاریخی تعلقات سے جو واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں کے لکھوانے کے لئے اس کاغذ کی جتنی بڑی مقدار حکومت چاہتی مصر سے فراہم کر سکتی تھی۔

بہرحال بات ذرا طویل ہو گئی لیکن کیا کیا جائے غلط فہمیوں کی گتھیاں بھی تو کافی دراز اور لمبی ہیں گرہوں پر گرہیں پڑتی چلی گئی ہیں جب تک ساری گرہوں کو صبر سے کام لیتے ہوئے کھول نہ لیا جائے۔ جس واقعہ کو پیش کرنا ہے شاید آسانی سے لوگوں کے دماغ میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا۔ ورنہ کہنا تو صرف یہ تھا کہ دین اسلامی کے لحاظ سے جن امور کی حیثیت البینات کی نظر آتی ہے، ان کی حفاظت و اشاعت، تبلیغ و نگرانی میں غیر معمولی اہتمام شروع ہی سے جو کیا گیا، اور یہ کیفیت اس غیر بیناتی حصہ میں جو نظر نہیں آتی ہے جس کا عام حدیثوں (یعنی خبر احاد) سے تعلق ہے تو یہ نہ کوئی اتفاقی واقعہ ہے اور نہ قرن اول کی

لہ اس مصری کاغذ کی تاریخی تفصیل پر مستقل مضمون ہمارے مرحوم رفیق مولوی جمیل الرحمٰن عفر اللہ لہٗ نے ایک مقالہ کی شکل میں جامعہ عثمانیہ کے تحقیقاتی مجلہ میں شائع کرایا تھا، جو بڑی مغز معلومات سے معمور ہے یہ کاغذ مصر میں کب سے بن رہا تھا، کیسے بنتا تھا، اس کی خصوصیت کیا ہوتی تھی، مصر کے سوا اور دوسرے ممالک میں بھی یہ صنعت پائی جاتی تھی یہ سارے مباحث آپ کو اس مقالے میں ملیں گے مسلمانوں نے مختلف مقامات میں مختلف ملکوں سے اس صنعت کو حاصل کیا۔ لکھا ہے کہ ۸۸ھ ہجری میں قطن (روئی) سے کاغذ بنانے کا کارخانہ یوسف بن عمرو نے مکہ میں جاری کیا اسی طرح موسیٰ بن نصیر نے مغرب کے علاقہ میں کتان وغیرہ سے کاغذ بنانے کا طریقہ مروج کیا۔ ریشم سے بھی کاغذ بنایا جاتا تھا۔ ان ہی دنوں میں ایسے چکنے کاغذ تیار ہونے لگے تھے جس میں لکھا ہے کہ آدمی کو اپنا چہرہ تک نظر آ سکتا تھا، دیکھو دفیات الاسلاف للشہاب المرجانی ص ۲۲۲ مسلمانوں نے کاغذ کی طرف اتنی توجہ کی کہ ملک بہت جلد کاغذ سے بھر گیا سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ تک کاغذ کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ ہر چھوٹی بڑی ضرورت کے لئے الگ الگ مراسلہ دفاتر سے جاری کیا جاتا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسراف قرار دیا اور حکم دیا کہ ہر چیز کے لئے الگ الگ مراسلے کی ضرورت نہیں بلکہ چند ضرورتوں کا ذکر ایک ہی مراسلہ میں ممکن ہو تو خواہ مخواہ کاغذ ضائع نہ کیا جائے۔ نیز آپ نے یہ بھی حکم دیا کہ خوش خطی کے لئے موٹے موٹے حروف کا لکھنا غیر ضروری ہے، باریک حروف سے کام نکل سکتا ہے تو اسی سے کام لیا جائے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلمانوں کی بے اعتنائی اور بے توجہی کا العیاذ باللہ اسے نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے اور
اس کی وجہ یہ ہے کہ اسبابِ حفاظت مثلاً کتابت و اشاعت وغیرہ کے سازو سامان
ابتداءِ اسلام میں کمی تھی، بلکہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے میرا دعویٰ ہے کہ ہوا نہیں بلکہ کیا گیا ہے
قصداً و ارادۃً کیا گیا ہے، ایسی صورتیں اور ایسے حالات جان بوجھ کر اختیار کئے گئے
ن کا لازمی نتیجہ یہی نکل سکتا تھا جو نکل آیا، یعنی دین کے "مبینات" کی حیثیت تو یہ
ہو کئی ہے کہ ان کا انکار خود دین کا انکار ہے گویا کسی کُل کے ان اجزاء کا انکار ہے
جن کے نکل جانے کے بعد کل کا وجود بھی ختم ہو جاتا ہے، یوں سمجھنا چاہئے کہ جسدِ
انسانی کے ساتھ جیسے ان اجزاء کا تعلق ہے جن کو نکال لینے کے بعد آدمی زندہ
ہی نہیں رہ سکتا، اور ان ہی کے مقابلہ میں وہ چیزیں جو مذکورۂ بالا حدیثوں سے پیدا
ہوتی ہیں گو دینی زندگی کی تعمیر میں ان سے بھی کام لیا جاتا ہے لیکن حیثیت ان کی
ایسے اجزاء کی ہے جن کے نکل جانے کے بعد بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آدمی دین
سے نکل گیا، گویا جو نسبت جسدِ انسانی سے ان اجزاء کی ہے جن کے کٹ جانے
اور نکل جانے کے بعد بھی آدمی زندہ رہتا ہے یا رہ سکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ
اسلام کو اپنی تیسیری اور سہولت پسندانہ خصوصیتوں پر جو ناز ہےلہ، اور یہ سمجھا جاتا
ہے دیکھا جا رہا ہے کہ کسی دین میں وہ سہولتیں نسلِ انسانی کو نہیں عطا کی گئی ہیں،

لہ مسند احمد میں اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے جس میں ہے کہ حبشیوں کے حربی رقص کا تماشا خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہؓ کو دکھا رہے تھے تو اس میں یہ بھی ہے کہ اس حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لتعلم یھود ان فی دیننا فسحۃ (یہود کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارے دین
میں کتنی وسعت و فراخی ہے) در منثور ص۱۹۳ ج ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن آسانیوں سے اس آخری دین میں بنی آدم کو سرفراز کیا گیا ہے، سچ پوچھئے تو
کے ان ہی ابواب میں ایک بہت بڑا اساسی اور اصولی باب وہ امتیاز بھی ہے
دین اسلامی کے بیناتی اور غیر بیناتی حصہ میں قصداً وارادۃً پیدا کیا گیا ہے ابتدا
سے ایک ایسا محتاط حکیمانہ طرزِ عمل دین کے ان دونوں شعبوں کے متعلق اختیا
گیا کہ علاوہ بیناتی حصہ کے جو جانتے ہیں کہ اپنی زندگی کے چوبیس گھنٹوں کو نور
کبریٰ کے ان مقدس نمونوں سے معمور کریں جنہیں محبوبیتِ حق کی آسمانی سند حا
ہے، تو ان کے لئے بھی انتہائی سیر چشمی کے ساتھ راہیں بالکل کھلی رکھی گئی ہیں یہ
نہیں واقعہ ہے کہ صرف دینی مشاغل اور مذہبی کاروبار کی حد تک نہیں بلکہ سو
جاگتے میں، اٹھتے میں بیٹھتے میں کھانے میں پینے میں، الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں
ہی نمونوں کے مطابق جینے والے چاہیں تو جی سکتے ہیں، اور مرنے والے چاہیں
مر سکتے ہیں، جن سے بہتر نمونے ارتقاء وعروج کے لئے انسانیت کے آگے نہ ان
پہلے رکھے گئے اور نہ ان کے بعد پیش ہوئے یا ہو سکتے ہیں۔

اور جہاں ایجابی وسعت دامانیوں کا یہ حال ہے، وہیں ان بیچاروں کے
جو ان نمونوں کی پیروی سے محروم رہ جانے والے تھے، ان کے لئے یہ کتنی عظیم ا
وسیع سلبی سہولت ہے کہ نہ دینی زندگی ہی کے ان نتائج سے ان کو محروم ٹھہرایا گیا!
جن کا استحقاق مذہب کے بیناتی حصہ کی تعمیل سے ہر تعمیل کرنے والے کو حاصل
ہے اور نہ ان لوگوں کو بغاوت کے جرم کے مجرم ہونے کا موقع دیا گیا ہے جو بد
ان معلومات ہی کے انکار پر آمادہ ہو جائیں، جن سے قدرت کے ان محبوب نمو
کا علم حاصل ہوتا ہے اف اگر معلومات کے اس حصہ کو بھی "بینات" ہی کی شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی جاتی، اور چاہا جاتا تو عرض کر چکا ہوں کہ یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، " بینات" کو بینات
بنانے میں جس قوت سے کام لیا گیا تھا کونسی چیز مانع ہوتی اگر اسی قوت سے کام لے
ان معلومات کو بھی " بینات" کے قالب میں ڈھال دیا جاتا، لیکن سوچئے تو سہی کہ ان
نمونوں کی روشنی میں چلنے سے محروم رہ جانے والوں کا انجام اس کے بعد کیا ہوتا. خود
ان نمونوں کی روشنی میں چلنے سے محروم رہ جانا ہی محرومی کیا کم ہے اور جب کہ ایسی
صورت میں دین کے " بینات" سے کترانے اور ہٹنے کے بھی یہ مجرم بن جاتے تو
ان خمیازوں سے ان کو کون بچا سکتا تھا جو اس جرم کے لازمی نتائج ہیں، لیکن آپ
سن چکے ہیں کہ ان معلومات کی جو موجودہ کیفیت ہے یعنی خبر آحاد کی شکل میں ان
کا ہونا محض اسی کا نتیجہ تو یہ ہے کہ ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا تارک ہی نہیں بلکہ
سرے سے ان معلومات کے انکار کرنے والوں کو بھی دین کے دائرہ سے باہر کرنے کی
کوئی جرأت نہیں کر سکتا اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ دینی زندگی کے ان ثمرات و نتائج
سے بھی ان کو محروم نہیں ٹھیرایا گیا ہے جن کی توقع ایک مسلمان بحیثیت مسلمان ہونے
کے آنے والی زندگی میں رکھتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ

والافعال الخارج الصلوٰۃ من	نماز سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
المشي واللبس والاکل فان	ایسے افعال مثلاً آپ کی رفتار آپ کے لباس
العبد لا یطالب باقامتها ولا	آپ کے کھانے کے طریقے، تو بندوں سے
یاثم بترکها ولا یصیر مسیئا	نہ ان امور کی بجاآوری کا مطالبہ کیا گیا ہے
کشف بزدوی ج ۲ ص ۱۳۱	اور نہ ان امور کے چھوڑنے والے گنہ گار
	ٹھیرائے جائیں گے نہ ان کو برائی کا مرتکب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیا جائے گا۔

اور اسی قسم کی چیزیں نہیں بلکہ اسی کتاب میں ہے کہ یہی حکم ان چیزوں کا بھی ہے جن کا نماز ہی سے تعلق کیوں نہ ہو مثلاً

تطویل الصلوٰۃ فی حالۃ القیام والرکوع والسجود	نماز کے قیام و رکوع و سجود میں دیر تک مشغولیت رکھا بھی حال ہے،

حتیٰ کہ جن سنتوں کا نام سنن الہدیٰ رکھا گیا ہے مشہور اصولی امام ابوالیسر بزدوی کے حوالہ سے صاحب کشف نے ان کا فتویٰ نقل کیا ہے یعنی یہ فرمانے کے بعد کہ

کل نفل واظب علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل التشہد فی الصلوٰۃ والسنن الرواتب فحکمہا انہ یندب الی تحصیلہا ویلام علی ترکہا مع لحوق اثم یسیر	ہر ایسی نفلی عبادت جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باضابطہ پابندی فرماتے تھے مثلاً نماز میں تشہد (یعنی التحیات)، اور فرض نمازوں کے بعد جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں جنھیں سنن رواتب کہتے ہیں تو ان چیزوں کا بھی حکم یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی تعمیل پر آمادہ تو کرنا چاہیے اور چھوڑنے والوں پر ملامت و نفرت بھی کی جائے گی تھوڑا سا گناہ کا پہلو بھی اس میں پیدا ہوتا ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ دنیا میں اسلامی حکومت ایسوں پر تعزیری کارروائی نہیں کر سکتی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ایسے آدمی پر ملامت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جائے اور اس کے طرز عمل کو موجب نفرین ٹھیرایا جائے، رہا آخرت میں اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، صدر الاسلام ابو الیسر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑا بہت گناہ اس کو ہوگا، لیکن خود یہ گناہ کس نتیجہ کو پیدا کرے گا، گو انھوں نے اس کی تعیین نہیں کی ہے، لیکن بعض روایتوں کی بنیاد پر فقہاء کا خیال ہے کہ

حرمان الشفاعة فی العقبیٰ
کشف ص۳۰ ج۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے آخرت میں محرومی۔

کے انجام کو اس کا یہ گناہ اس کے سامنے لائے گا لیکن یہ تو "سنن الہدی" کے ترک کا نتیجہ ہوسکتا ہے، باقی

کل نفل لم یواظب علیہ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ترکہ فی حالة کالطہارة لکل صلوٰة وتکرار الغسل فی اعضاء الوضوء والترتیب فی الوضوء فانہ یندب الی تحصیلہ ولکن لا یلام علی ترکہ ولا یلحق بترکہ وزر
ص۳۰ ج۲

ہر ایسا نفلی فعل جس کی باضابطہ پابندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی بلکہ کبھی کبھی اسے چھوڑ بھی دیتے تھے، مثلاً ہر نماز کے لئے تازہ وضوء یا وضوء میں ہر ہر عضو کو بار بار دھونا (یعنی بجائے تین دفعہ کے ایک ہی دفعہ دھو لیا جائے)، اور وضوء کرنے میں اعضاء کی ترتیب (یعنی پہلے منہ پھر کہنی تک ہاتھ پھر مسح پھر پاؤں دھونا) تو اس قسم کے امور کی تعمیل چاہیے تو یہی کہ لوگ کریں، لیکن ان کے چھوڑنے پر نہ وہ ملامت اور نفرت ہی کے مستحق ہیں اور نہ اس کی بازپرس کا بار ان پر پڑیگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال ان حدیثوں سے جو عام احکام و نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا یہی حال ہے۔ البتہ بعض ایسی چیزیں جن میں اپنے خصوصی حالات کی وجہ سے خاص قوت پیدا ہو گئی ہے اگرچہ تواتر کے درجہ تک پہنچ کر "بینات" کا رنگ ان میں نہ پیدا ہوا ہو، مثلاً صاحب کشف نے امام محمدؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

ما کان من اعلام الدین فالاصرار على ترکه استخفاف بالدین منہ	ایسے امور جن کا شمار دین اسلامی کی نشانیوں میں کیا جاتا ہے، تو ان کے چھوڑنے پر اصرار درحقیقت دین کے وزن کو سبک کرنا اور اس کی اہمیت کو گھٹانا ہے۔

مثال میں لوگ اذان یا اقامت یا عیدین کی نماز کو پیش کرتے ہیں کہ گو ان کا شمار ذوالفض و واجبات میں نہیں ہے اور سنن ہی میں ان کو داخل سمجھا جاتا ہے مگر یہ بھی فتویٰ بھی دیا گیا ہے امام محمد ہی سے منقول ہے کہ۔

اذا اصر اهل مصر على ترك الاذان والاقامة امروا بهما فان ابوا قوتلوا على ذلك	اگر کسی شہر کے باشندے اذان یا اقامت کے چھوڑنے پر اصرار کرنے لگیں تو ان کو ان اعمال کی بجا آوری کا حکم دیا جائے گا۔ اگر اس حکم کی تعمیل سے وہ انکار کریں تو پھر ان سے لڑائی کی جائے۔

مگر ذرا ان دقیقہ سنجیوں کا اندازہ کیجئے کہ گو ان افعال کے صرف ترک پر نہیں بلکہ ترک پر اصرار، اور حکم دینے کے بعد اس حکم کے ماننے سے انکار پر حکم دیا گیا ہے کہ ان سے لڑائی کی جائے، یعنی فوجی طاقت حکومت ان کے تعمیل کرانے پر استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرے لیکن فوج کس قسم کے آلات استعمال کرے لکھا ہے کہ قاضی ابویوسف کا فتویٰ تھا کہ ہتھیار سے فوج ان پر حملہ نہ کرے، بلکہ عام تادیبی کارروائیاں کی جائیں، البتہ امام محمدؒ کہتے تھے کہ ہتھیار کی قوت ایسے موقعہ پر استعمال کرنی چاہئے قاضی ابویوسف اس کے جواب میں کہتے تھے کہ

المقاتلة بالسلاح عند ترك الفرائض والواجبات واما السنن فانما يؤدبون على تركها لا يقاتلون على ذلك ليظهر الفرق بين الواجب وغيره ص۳۱	ہتھیار سے فوجی کارروائی فرائض اور واجبات کے ترک پر کی جائے گی، باقی جو باتیں سنت سمجھی جاتی ہیں تو ان کے چھوڑنے والوں کے خلاف صرف تادیبی کارروائی کی جائے گی سنت کے ترک پر فوجی کارروائی نہ کی جائے گی تاکہ واجب و فرض اور جو چیزیں واجب و فرض نہیں ہیں دونوں میں فرق واضح ہو

خلاصہ یہ ہے کہ بعض چیزیں گو ثابت ہیں وہ حدیثوں ہی سے اور گو تواتر کے درجہ تک وہ نہ پہنچی ہوں لیکن دوسرے حالات نے ان میں کافی قوت پیدا کردی ہو، جیسے زانی کی سزا رجم، یا موزوں پر مسح اگرچہ ان کے منکر کو بھی کافر نہیں قرار دیا جاسکتا

ولکن یخشی علیه الاثم	مگر گناہ کا اندیشہ اسکے متعلق ضرور کیا جائیگا

مگر ایسی چیزیں بہت تھوڑی ہیں باقی ان کے سوا حدیثوں کا جو عام ذخیرہ ہے، شمس الائمہ سرخسی نے مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ

مثل الاخبار التی اختلف فیها الفقهاء فی باب الاحکام	مثلاً وہ ساری حدیثیں جن کا احکام سے تعلق ہے اور فقہاء کا جن کے متعلق اختلاف ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً آمین، رفع یدین، اور اسی قسم کے مباحث کی متعلقہ حدیثیں سو ترک

تو ترک شمس الائمہ نے فتویٰ نقل کیا ہے۔

لا یخشی علی جاحدہ الماثم — ان حدیثوں کے انکار کرنے والوں کو بھی

گناہگار ہونے کا ڈر نہیں ہے۔

شمس الائمہ کا مطلب یہ ہے کہ اختلافی مسائل میں ایک فریق دوسرے فریق کی تائیدی حدیثوں کو جو مسترد کر دیتا ہے تو اس کی وجہ سے یہ الزام قائم کر کے کہ وہ پیغمبرؐ کی حدیثوں کا انکار کر رہا ہے اس کو گنہ گار ٹھہرانا قطعاً بے معنی ہے، بلکہ ان ہی اختلافی مسائل کی طرف اشارہ کر کے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تو یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ

ان اکثر صور الخلاف بین الفقہاء لاسیما فی المسائل التی ظہر فیہا اقوال الصحابۃ فی الجانبین کتکبیرات العیدین وتکبیرات التشریق ونکاح المحرم وتشہد ابن عباس و ابن مسعود والاخفاء والجہر بالبسملۃ وبآمین والاشفاع والایتار فی الاقامۃ ونحو ذالک انما ہو ترجیح احد القولین وکان السلف لا یختلفون فی اصل المشروعیۃ وانما کان خلافہم فی اولی الامرین ونظیرہ اختلاف القراء فی وجوہ القرات ۔ ص۳۰ انصاف

ترجمہ:۔ فقہاء اسلام کا جن مسائل میں نقطۂ نظر کا اختلاف پایا جاتا ہے ان کی اکثر صورتیں خصوصاً جن مسائل میں صحابہ کے اقوال ہر فریق کی تائید میں ملتے ہیں مثلاً عیدین کی زائد تکبیروں (کی تعداد کا اختلاف) یا تشریق کی تکبیر یا محرم (یعنی حج کا احرام باندھے ہوتے جو ہو) اس کے نکاح کے جواز و عدم جواز میں جو اختلاف ہے۔ اسی طرح "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو آہستہ (نمازوں میں) پڑھا جائے یا زور سے یا آمین کے آہستہ کہنے یا زور سے کہنے میں یا اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہے جائیں یا ایک ایک دفعہ، الغرض یہ یا اسی قسم کے دوسرے اختلافات اسی نوعیت کے جو ہیں تو ان میں اختلاف کا مطلب صرف یہ ہے کہ) ایک پہلو کو دوسرے پہلو پر صرف ترجیح دی جاتی ہے (یعنی سمجھا جاتا ہے کہ بہتر اس میں فلاں پہلو ہے) ورنہ سلف کا اس میں اختلاف نہ تھا کہ ان اختلافی پہلوؤں میں سے کوئی پہلو شریعت کے دائرے سے قطعاً خارج ہے، بلکہ مشروعیت (یعنی شرعاً دونوں پہلو جائز ہیں اس پر سب کا اتفاق تھا) ان اختلافات کی نوعیت وہی ہے جو قرآنی آیات کی قرأت میں قراء کے اختلافات کا تھا۔

(باقی آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلیفۃ الاعظم
امیر المومنین عبدالرحمن الناصر لدین اللہ

از جناب سید انوار الحق صاحب حقی ایم - اے - ایل - بی لکچرر
(تاریخ و سیاسیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

(۲)

کیونکہ ملکی آزادی اور قومی حکومت جس تحریک کے شعاری الفاظ تھے اس نے اب مذہبی جوش وجنون اور صلیبی رنگ اختیار کرلیا تھا ابن حفصون کے غیر سیاسی ارتداد نے تحریک بغاوت کی کمر توڑ دی۔ عام اسپینی باشندے اور خاص کر سرفوں کی اولاد مسیحیت کے عروج اور پادریوں کے اقتدار سے خائف و لرزاں تھی۔ انھیں فکر و اندیشہ تھا کہ دوبارہ عیسائی حکومت قائم ہوتے ہی وہ تمام حقوق و املاک جو مسلمانوں کے دور حکومت میں حاصل ہوئے تھے ضبط ہوجائیں گے اور ان کی انفرادی آزادی ختم ہوکر انھیں پھر اپنے بزرگوں کی طرح جاگیرداروں کا غلام اور ان کے ظلم وستم کا تختۂ مشق بننا پڑے گا عربوں کی فتوحات اور حکمرانوں کی تبدیلی سے جو معتدبہ فرق اور فائدہ اسپین کے عام باشندوں کو ہوا اس کے سب مورخ مقر اور مداح ہیں جس نرمی، رواداری اور دانائی سے عرب فاتحوں نے اندلس پر حکومت کی وہ عدیم المثال ہے۔ لین پول کے الفاظ میں جہاں تک مفتوحین کا تعلق تھا عربوں کا اندلس کو فتح کرنا بہ حیثیت مجموعی نفع بخش تھا۔ اس نے بڑے بڑے امراء اور کلیسا والوں کی

© rasailojaraid.com